پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

ایمان شکنی

مذہب یا مسلک کی آزادی

2021-22

ایمان شکنی

مذہب یا مسلک کی آزادی

2021-22

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

©2023 ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان
تمام حقوق محفوظ ہیں۔ ماخذ کا باقاعدہ حوالہ دے کر اس اشاعت کے کسی بھی حصے کو دوبارہ شائع کیا جا سکتا ہے۔

اس اشاعت میں شامل مواد کی درستگی کو یقینی بنانے کے لیے ہر ممکنہ کوشش بروئے کار لائی گئی ہے ۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کسی بھی غیر ارادی غلطی کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

آئی ایس بی این: 978-627-7602-11-6
پرنٹر: وژنریز ڈویژن
90-اے، ایئرلائنز ہاؤسنگ سوسائٹی
خیابان جناح،لاہور

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان
ایوان جمہور
107-ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن
لاہور54600
ٹیلی فون: 9969 3586 ,4994 3586 ,8341 3583 42 92+
ای میل: hrcp@hrcp-web.org
www.hrcp-web.org

Funded by the
European Union

اظہار برات: یہ دستاویز یورپی یونین کے مالی تعاون سے شائع کی جا رہی ہے۔ اس دستاویز کے مواد کی کامل ذمہ داری ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی ہے اور کسی بھی صورت میں یہ یورپی یونین کی پوزیشن کی نمائندگی نہیں کرتی۔

فہرست

1 تعارف---2

2 مذہبی و مسلکی آزادیوں کا احاطہ کرنے والا قانونی اور پالیسی فریم ورک---------4

3 مذہبی و مسلکی آزادی کے حق کی خلاف ورزیاں-----------------------------------8

4 سفارشات---17

ضمیمہ 1: جبری تبدیلی مذہب کا ریکارڈ--20

1 تعارف

بطور ایک جدید ریاست اپنی آزادی کے پچھترویں برس میں بھی پاکستان میں بسنے والی مذہبی و مسلکی اقلیتوں کا رُتبہ دوسرے درجے کے شہریوں کا ہی ہے۔[1] جہاں ریاستی مذہب کے طور پر اسلام کا کردار ریاستی امور کی انجام دہی سے منسلک ہے ۔ مذہبی اقلیتوں کو، ریاستی و غیر ریاستی عناصر کے ہاتھوں، عقائد کی بنیاد پر ہونے والے تشدد، امتیازی قانون سازی اور سماجی تعصبات کا سامنا ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) طویل عرصے سے اس بات کی وکالت کرتا چلا آ رہا ہے کہ تمام مذہبی اقلیتوں اور مسالک کو وہی حقوق اور آزادیاں ملنی چاہییں جو مسلمان شہریوں کو حاصل ہیں۔ اس تناظر میں کمیشن یہ ترغیب کاری جاری رکھے ہوے ہے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کا وہ تاریخی فیصلہ نافذ کیا جائے جو جسٹس تصدق حسین جیلانی نے 2014ء میں دیا تھا، یہ فیصلہ مذہبی اقلیتوں اور مسالک کو حقوق مہیا کرنے کے لیے ایک جامع فریم ورک مہیا کرتا ہے، ان میں اپنے عقائد کا اعلان اور ان پر عمل پیرا ہونے کی آزادی اور مساوی شہریوں کے طور پر زندگی بسر کرنا، تعلیم اور روزگار کے میدانوں میں مسلکی بنیاد پر برتے جانے والے کسی بھی امتیاز سے نجات شامل ہیں۔

یہ رپورٹ اُس سالانہ سیریز کی ایک کڑی ہے جو ملک میں مذہبی و مسلکی آزادیوں کی صورتِ حال کو دستاویزی شکل دیتی ہے۔[2] اس تناظر میں یہ خاص طور پر حقوق کی ان خلاف ورزیوں کا جائزہ لیتی ہے جو جولائی 2021 سے جون 2022 کے دوران وقوع پذیرہوئیں اور جو پاکستان کے قانونی اور سماجی سیاسی فریم ورک کے تحت آتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ رپورٹ ریاستی ردِ عمل کا جائزہ لینے کی کوشش بھی کرتی ہے، جو، تاریخی طور پر ، عقیدے کی بنیاد پر امتیاز روا رکھنے والوں کے لیے استثنائی ماحول مہیا کرتا اور نمایاں طور پر مذہبی آزادیوں کے لیے جگہ مزید سکیڑنے والا ہی رہا ہے۔شدید تشویش کے ساتھ مشاہدہ کیا۔

ایچ آر سی پی نے تشویش کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ 22-2021 میں ہونے والی ایسی متعدد پیش رفتیں مذہبی و مسلکی آزادیوں کے لیے ریاستی عزم کے دعووں کی نفی کرتی ہیں۔ سندھ میں ہونے والی جبری تبدیلی مذہب کے واقعات میں افسوس ناک تسلسل قائم رہا۔ مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے کی خبریں جاری رہیں، تاہم جہاں کہیں ایسی خبریں احمدی برادری کی عبادت گاہوں کے حوالے سے سامنے آئیں ریاست کی طرف سے کسی قِسم کا ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا۔ پنجاب میں، شادی کے سرٹیفکیٹ پرعقیدے کے لازمی اظہار کی شرط نے احمدی برادری کو مزید دیوار سے لگا دیا، جب کہ یکساں قومی نصاب کے نفاذ کی کوششوں نے ایک ایسا اخراجی بیانیہ تخلیق کیا جس نے پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کو مزید حاشیے پر دھکیل دیا۔

---

[1] ادارہ شماریات، پاکستان کی 2017ء میں کی گئی مردم شماری کے مطابق آبادی میں مسلمانوں کا حصہ 96.2 فیصد، ہندو 1.6 فیصد، عیسائی 1.59 فیصد، شیڈول کاسٹ 0.25 فیصد (شیڈول کاسٹ ہندو آبادی اونچی ذات کے ہندوؤں سے زیادہ ہے)؛ احمدی 0.22 فیصد؛ اور 'دیگر اقلیتیں'، 0.07 فیصد ہیں۔ پاکستان کی شیعہ مسلم برادری، جنہیں مردم شماری میں مذہبی اقلیت کے طور پر شمار نہیں کیا جاتا، کل آبادی کا تقریباً 15–10 فیصد ہیں، لیکن یہ برادری بڑی تیزی سے سخت گیر سنی گروہوں کا ہدف اور تشدد کا شکار ہو رہی ہے۔

[2] ایچ آر سی پی علین عالم کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس رپورٹ کے ابتدائی ڈرافٹ تیار کیے۔

سیکشن 2 میں عالمی اور مقامی قانونی اور پالیسی فریم ورک کا وہ خاکہ بیان کیا گیا ہے جو مذہبی و مسلکی آزادی سے متعلق ہے۔ سیکشن 3 میں 2021-22 کے دوران مذہبی و مسلکی آزادیوں کے تناظر میں ہونے والی خلاف ورزیوں کو دستاویز کیا گیاہےان میں نفرت انگیز تقاریر، جبری تبدیلی مذہب، پاکستان میں توہین رسالت کے قوانین کا غلط استعمال، تعلیم اور روزگار کے میدانوں میں امتیازی سلوک کو ادارہ جاتی شکل دینا اور مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے خلاف پرتشدد واقعات کا احاطہ شامل ہے۔ سیکشن 4 میں ریاست کے لیے ایسی تجاویز پر محیط ہے جو پاکستان میں مذہبی و مسلکی آزادی کی بابت قانون، پالیسی اور عمل درآمد اور آگے بڑھنے کی راہ کا تعین کرتی ہیں۔

2 مذہبی و مسلکی آزادیوں کا احاطہ کرنے والا قانونی اور پالیسی فریم ورک

عالمی و آئینی ڈھانچہ

مذہبی و مسلکی آزادی کابنیادی حق عالمی سطح پر انسانی حقوق کے کئی مرکزی معاہدوں میں تسلیم کیا گیاہے، ان میں یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کا آرٹیکل 18 اورشہری و سیاسی حقوق کے عالمی میثاق (International Covenant on Civil and Political Rights)کا آرٹیکل 18 بھی شامل ہیں؛ پاکستان مذکورہ بالا دونوں معاہدوں کا دستخط کنندہ ہے۔ یہ معاہدے سوچ، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا تحفظ کرتے ہیں، فرد کو آزادانہ اپنا مذہب و مسلک تبدیل کرنے اور اپنے عقائد کے مطابق عوامی و نجی طور پر عبادت کرنے کا حق دیتے ہیں۔[3] مذہبی و مسلکی آزادی کا ایک اور قدرے محدود حق آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 20 میں بھی شامل ہے، جو تمام شہریوں کو ضمانت دیتا ہےکہ انہیں حق حاصل ہے کہ وہ 'اپنے مذہب کے کسی بھی فرقے یا مسلک کو قبول کریں، عمل کریں یا تبلیغ کریں' اور 'مذہبی ادارے قائم کریں ، ان کی دیکھ بھال کریں اور ان کا انتظام چلائیں'، ہر چند کہ یہ امور 'قانون، امن عامہ اور اخلاقیات' کے غیر متعین شدہ تصورات کے تابع ہیں۔[4]

2014 کا جیلانی فیصلہ اور نیشنل ایکشن پلان

حالیہ عرصے میں سامنے آنے والے قانونی فیصلے اور پالیسیاں بھی مذہبی و مسلکی آزادی کی آئینی ضمانتوں پر زور دیتی ہیں، خاص طور پر سپریم کورٹ کا 2014ء کا فیصلہ، جو دیگر ہدایات کے علاوہ اس بات کا حکم بھی دیتا ہے کہ ایک قومی انسانی حقوق کا اِدارہ مذہبی اقلیتوں کے لیے قائم کیا جائے (باکس1) ۔[5] مزید برآں 2014ء کا ہی نیشنل ایکشن پلان کہتا ہے (i) مذہبی اقلیتوں کے لیے مخصوص کردہ ملازمتوں کے کوٹے پر عمل درآمد کیا جائے (ii) امتیازی قوانین کا جائزہ اور نظرِ ثانی (iii) بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ کے لیے نصاب میں اصلاحات(iv) زبردستی تبدیلی مذہب اور جبری شادیوں کے مسئلے کا حل (v) مذہبی اقلیتی عبادت گاہوں کی حفاظت اور (vi) عوامی مذہبی اجتماعات کے دوران انہیں حفاظت مہیا کرنا۔ تاہم، 30 جون 2022 تک، سول سوسائٹی کے سرگرم کارکنا ن کے اندازے کے مطابق، وفاقی و صوبائی حکومتوں نے جیلانی فیصلے میں دی جانے والی ہدایات کے نفاذ کے لیے 22فیصد سے بھی کم پیش رفت کی، باوجود اس کے کہ 2018ء میں سڈل کمیشن قائم کیا گیا کہ وہ اس فیصلے کے نفاذ کے لیے ہونے والی پیش رفت کا جائزہ لے (یہ قدم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی جانب سے عوامی قانونی چارہ جوئی کے بعد اٹھایا گیا)، اس حوالے سے 28سماعتیں اور 79ضمنی احکامات سپریم کورٹ آف پاکستان کے بنچ کی جانب سے جاری کیے گئے۔[6]

---

[3] https://www.un.org/sites/un2.un.org/files/2021/03/udhr.pdf

[4] https://na.gov.pk/uploads/documents/1333523681_951.pdf

[5] https://www.refworld.org/pdfid/559e57644.pdf

[6] www.balochistanvoices.com/2022/06/only-22percent-implementation-of-justice-jillani-judgment-after-eight-years/

باکس 1: ایک تاریخی فیصلہ

جسٹس تصدق حسین جیلانی کی جانب سے 2014ء میں سنائے جانے والا فیصلہ مندرجہ ذیل سات نکات پر عملدرآمد کے لیے کہتا ہے:

حکم دیتا ہے

i- مذہبی رواداری قائم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل دینے کے لیے ایک ٹاسک فورس کا قیام ۔

ii- سکولوں اور کالجوں کی سطح پر ایسے مناسب نصاب کی تشکیل جو مذہبی و سماجی رواداری کے کلچر کو فروغ دے۔

iii- وفاقی حکومت سوشل میڈیا پر مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقاریر کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے درکار ضروری اقدامات اٹھائے اور یہ کام کرنے والوں کو قانون کے تحت کٹہرے میں لائے۔

iv- ایک قومی کونسل برائے اقلیتی حقوق قائم کی جائے کہ مذہبی اقلیتوں کو قانونی و آئینی حقوق اور تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

v-اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے ایک خصوصی پولیس فورس قائم کی جائے۔

vi- وفاقی و صوبائی حکومتیں مذہبی اقلیتوں کے لیے مخصو ص کردہ ملازمتوں کے کوٹے کو مکمل کرنے کے لیے پالیسی حکم نامہ جاری کریں۔

vii- قانون نافذ کرنے والے ادارے ایسے تمام معاملات میں فوری روبہ عمل ہوں (بشمول فوجداری مقدمات درج کرنے کے) جہاں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہو یا اُن کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

اقلیتوں کے لیے قومی کمیشن

مئی 2020ء میں وزارتِ مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کے تحت ایک قومی کمیشن برائے اقلیت تشکیل دیا گیا۔ جون 2022ء تک، چھ سرکاری اراکین اس کا حصہ تھے: اسلامی نظریاتی کونسل کے چئیرمین، وزارتِ مذہبی امور کے سیکرٹری اور وزارتِ داخلہ، وزارت قانون و انصاف، انسانی حقوق کی وزارت اور وفاقی وزارت تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کا ایک ایک نمائندہ۔ ان کے علاوہ اس کونسل میں 12 غیر سرکاری ممبران شامل کیے گئے، دو مسلمان، تین عیسائی، تین ہندو، دو سکھ، ایک کالاشی/کالاشا اور ایک پارسی۔[7]

بغیر کسی آئینی تحفظ کے وجود میں آنے والے اس کمیشن کو انسانی حقوق کے محافظین کی جانب سے ہدفِ تنقید بنایا گیا کہ یہ کمیشن جیلانی فیصلے کی روح کا مظہر نہیں تھا، اس فیصلے کی رو سے انسانی حقوق کے تحفظ کا آزاد قومی ادارہ تشکیل دیا جانا تھا جو آئینی اختیارات اور قومی دائرہ کار کا حامل ہوتا۔[8] مزید برآں احمدی برادری کو جب تک وہ 'غیر

[7] mora.gov.pk/SiteImage/Misc/files/20220228_List_of_NCM_Members_with_Additional_Letter.pdf

[8] 9 مئی 2020ء کو جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں ایچ آر سی پی نے کہا کہ اسے'کابینہ کے فیصلے کے نتیجے میں، جس کی بنیاد وزارتِ مذہبی امور و بین المذہب ہم آہنگی کی جانب سے آنے والی ایک سمری تھی' بننے والے کمیشن کی تشکیل کے حوالے سے 'شدید تحفظات' ہیں، اس میں مزید کہا گیا کہ 'مجوزہ کمیشن کا ڈھانچہ جانبداری کا تاثر دیتا ہے اور سب سے بڑھ کر

مسلم کا درجہ' قبول نہیں کرتے، کمیشن میں شامل ہونے کا آپشن نہیں دیا گیا جب کہ پاکستان شیڈول کاسٹ کے نمائندگان نے کمیشن کو تنقید کا نشانہ بنایا کہ ان کی برادری کی نمائندگی اس میں سے خارج کر دی گئی تھی (باکس نمبر 2 بھی دیکھیے)۔

باکس 2: پاکستان میں شیڈول کاسٹ ہندو: نظر انداز شدہ اقلیت

پاکستان میں تقریباً چالیس کے قریب ہندو ذاتیں ہیں، ان میں سے 32 ایسی ہیں جو نومبر 1957ء کے صدارتی آرڈیننس آف پاکستان کے تحت شیڈول کاسٹ کی فہرست میں مندرج ہیں۔ شیڈول کاسٹ ہندووں کی اکثریت نچلی ذاتوں سے تعلق رکھتی ہے مثلاً کوہلی، میگھوار، بھیل، بگھری، بالمیکی، جوگی اور اوڈھ برادریاں۔[9] بدقسمتی سے، مذہبی اقلیتوں کے مابین ذاتوں کی درجہ بندی کی ساخت اور اس کے سماجی و معاشی مضمرات کو پاکستان میں وسیع پیمانے پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ طبقاتی اور ذات پات کی شناخت کے اس نظام کو ادارہ جاتی انداز میں نظر انداز کیے جانے کا عمل شیڈول ذاتوں کے باہمی تجربے کو مزید زائل کرنے کا باعث بنتا ہے، اس کے نتیجے میں ذات کی بنیاد پر تشدد اور امتیاز فروغ پاتا ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برادری عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہے۔

صحافی اور انسانی حقوق کے کارکنان کہتے ہیں کہ تھر، سندھ میں ہونے والی خود کشیوں میں اکثریت شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کیں۔ مئی 2022ء میں، 35 برس کی جھنی میگھوار، ننگر پارکر کی رہائشی اور پانچ بچوں کی ماں، نے اُس وقت پھندے پر جھول کر خود کشی کر لی جب وہ اُس سماجی و معاشی دباؤ کو مزید نہ سہہ سکی جو اس کے خاندان پر علاقے کے ایک بااثر ڈاکٹر نے ڈال رکھا تھا، اس کا خاندان اس ڈاکٹر کا بری طرح مقروض تھا۔ اس خاندان کی چھوٹی سے دُکان کووڈ-19 لاک ڈاؤن کے دوران ختم ہو گئی تھی اور اب ان کے پاس زندگی بسر کرنے کے کوئی وسیلہ باقی نہ رہا تھا—اور کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس وہ چارا گری کے لیے جا سکتے۔

سروان کمار بھیل، وکیل اور بھیل برادری کے نمائندہ، کھلے بندوں ریاست اور پاکستان میں مراعات یافتہ ہندوؤں کے ہاتھوں، خاص طور پر سندھ میں، اپنی برادری کے استحصال کے متعلق بات کرتے ہیں۔ فروری 2022ء میں انہوں نے سڈل کمیشن میں ایک باقاعدہ درخواست دائر کی جس کے بعد سپریم کورٹ نے سندھ حکومت کو حکم جاری کیا کہ وہ شیڈول کاسٹ کے اُن افراد کی ضلع وار فہرست تیار کرے جنہوں نے خود کشی کی تھی۔ اس کے نتیجے میں جو رپورٹ سامنے آئی اُس میں اندازہ قائم کیا گیا تھا کہ 2015ء سے لے کر 2021ء تک 300 مردوں اور 290 خواتین نے خود کشی کی۔[10]

یہاں یہ یاددہانی برمحل ہو گی کہ بھیل برادری کی قومی کمیشن برائے اقلیت یا کسی بھی حکومتی و عوامی سطح پر کوئی نمائندگی نہیں ہے۔

عقیدے کا لازمی اظہار

یہ کہ کسی آئینی تحفظ کے نہ ہونے کی وجہ سے، کمیشن کسی صورت بھی قومی کونسل برائے اقلیت، جس کی تشکیل کا تصور 2014ء کے سپریم کورٹ کے تاریخی تصدق جیلانی فیصلے میں دیا گیا تھا، متبادل نہیں بن سکتی۔'

[9] https://idsn.org/wp-content/uploads/user_folder/pdf/Old_files/asia/pdf/RR_Pakistan.pdf

[10] https://voicepk.net/2022/06/investigative-report-2/

مارچ 2022ء میں ہونے والی ایک پریشان کن پیش رفت کے ذریعے، پنجاب کابینہ نے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس برائے مغربی پاکستان، مجریہ 1961ء میں ایک ترمیم کی منظوری دی اور ایک نئی شق اس میں شامل کر دی جس کے تحت شادی کے خواہاں جوڑے کے لیے لازمی قرار دے دیا گیا کہ وہ ایک حلف نامہ کے ذریعے جناب رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کی گواہی دیں۔[11] انسانی حقوق کے محافظین نے اس بنیاد پر اس قدم کی مخالفت کی کہ یہ ماسوائے دائیں بازو کے ووٹ حاصل کرنے کی ایک کوشش کے اور کچھ نہیں، خاص طور پر اس لیے بھی کہ آئین و قانون میں مسلک و عقیدے کے حوالے سے ایسی شقیں پہلے سے ہی شامل ہیں۔ اس اضافے کو پہلے سے حاشیے پر زندگی بسر کرتی احمدی برادری اور مسلمانوں کی وسیع آبادی کے مابین موجود امتیاز کی خلیج کو مزید گہرا کرنے کا موجب خیال کیا گیا، جس کی وجہ سے اول الذکر برادری امتیاز اور تشدد کے خطرے سے مزید دوچار ہوئی۔

تعلیمی معیار قائم کرنے کی بھاری قیمت

یکساں قومی نصاب اگست 2021ء میں پاکستان تحریک انصاف کے دور حکومت میں متعارف کرایا گیا۔ پاکستان بھر میں پرائمری درجے کے طالبعلموں کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ واحد قومی نصاب پڑھیں، اس کے تحت سکولوں میں پڑھائے جانے والے تمام مضامین کا نصاب ازسرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کی گئی اور پانچویں جماعت تک تمام جماعتوں میں قرآن کی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا گیا۔[12] ناقدین نے دلیل دی کہ واحد قومی نصاب تنقیدی سوچ اور باہمی قبولیت کے خلاف ہے کیوں کہ اس کا مقصد ایک واحد ماورائی کلچر کو فروغ دے کر یک نوعی پاکستانی بنانا ہے اور یہ دوسرے کلچر اور مسالک کی تکذیب ہے۔ ستمبر 2021 ء میں، سندھ حکومت نے واحد قومی نصاب کو نافذ کرنے سے یہ نشان دہی کرتے ہوے انکار کر دیا کہ تعلیم صوبائی معاملہ ہے اوراس نے اس معاملے کو ' نصاب کا مارشل لاء' قرار دیا۔[13]

اگست 2021ء میں واحد قومی نصاب کا پہلا مرحلہ درجہ اول سے پنچم تک شروع کیا گیا۔ صحافیوں نے اس بات کی نشان دہی کی کہ اس میں غیر ضروری طور پر مذہبی مواد کو سیکولر مضامین مثلاً انگریزی، سائنس، معاشرتی علوم، ریاضی اور اردو میں بھی شامل کیا گیاہے۔ اس مواد کا بڑا حصہ، غیر محسوس طور پر اکثریت پسند بیانیے کی ترغیب دیتا ہے۔[14] واحد قومی نصاب کو ایک ایسے قدم کے طور پر بھی دیکھا گیا جو مدارس میں اصلاحات کی ایسی کسی بھی کوشش کو دبانے کے لیے اٹھایا گیا ہے جو نیشنل ایکشن پلان کے تحت کی جانی تھیں اور مدارس میں دی جانے والی تعلیم میں اصلاحات کرنے اور انہیں ضوابط کار کے تحت لانے کی بجائے مرکزی دھارے کی تعلیم کا معیار کمتر سطح پر پہنچا دیا گیا۔

---

[11] https://www.dawn.com/news/1677767

[12] غیر مسلم طلبہ کو استشناء کا حق تو دیا گیا لیکن انہیں اس کا کوئی متبادل مہیا نہیں کیا گیا۔

[13] اس رپورٹ کے لکھے جانے کے وقت سندھ حکومت نے اس نصاب کا حصہ بننے کا انتخاب کر لیا تھا، اکتوبر 2022ء میں اسے پاکستان کا قومی نصاب کا نام دے دیا گیا۔

[14] واحد قومی نصاب کی کتب میں کیا ہے؟ نصاب کا گہرا جائزہ-دی کرنٹ

3 مذہبی و مسلکی آزادی کے حق کی خلاف ورزیاں

مذہبی اقلیتوں اور مسالک پر حملے

2021-22 کے دوران مسیحی برادری پر دو حملے ہوئے۔ ستمبر 2021ء میں، کئی لوگ اُس وقت زخمی ہو گئے جب فوجی گریڈ کے ہتھیاروں سے مسلح دو افراد نے لاہور کے ہوپ چرچ آف پاکستان میں اتوار کی عبادت کے دوران فائرنگ کر دی۔[15] چار ماہ بعد، جنوری 2022ء میں، ایک عیسائی پادری، ولیم سراج کو پشاور میں چرچ سے گھر واپسی کے دوران نشانہ بنایا گیا، اس کے ساتھ سفر کرنے والا ایک اور پادری زخمی ہو گیا۔ حملہ آور، دو موٹر سائیکل سوار، موقع سے فرار ہو گئے۔[16]

2020ء کے بعد کسی مذہبی اقلیتی فرقے پر ہوئے حملوں میں سے، بد ترین حملہ مارچ 2022ء میں پشاور کی ایک شیعہ مسجد پر ہونے والا خود کش بم حملہ تھا، اس حملے میں کم از کم 62 لوگ جاں بحق اور تقریباً 200 زخمی ہوئے۔ دھماکا اُس وقت ہوا جب کچا رسالدار مسجد میں نمازی جمعہ کی نماز کے لیے جمع تھے۔ عسکری گروپ، دولت اسلامیہ(Islamic State)، نے دھماکے کی ذمہ داری قبول کی۔ صوبائی حکومت کی جانب سے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیے جانے کے باوجود، ذمہ داروں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا جا سکا، اس وجہ سے پریس کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ قومی سلامتی کے ادارے واضح طور پر انتہا پسندانہ مذہبی تشدد کے اس بڑھتے ہوئے رحجان کو روکنے کے لیے تیار دِکھائی نہ دیے۔[17] یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنوری 2022ء میں کراچی میں ایک بہت بڑا جلوس اہل سنت والجماعت کی طرف سے نکالا گیا—عموماً اس جماعت کو کالعدم سپاہِ صحابہ پاکستان کا ظاہری چہرہ سمجھا جاتا ہے، اور یہ جماعت اپنے شیعہ مخالف موقف کے لیے مشہور ہے— ان لوگوں کو اجتماع کرنے کی اجازت اور ریاست کی طرف سے تحفظ فراہم کیا گیا۔[18]

جبری تبدیلی مذہب: غیر محفوظ اور کم عمر اہداف

صرف2021ء میں، جبری تبدیلی مذہب کے 60 کیسز مقامی میڈیا پر رپورٹ ہوئے، مذہب تبدیل کرنے والی ان لڑکیوں میں سے ستر فیصد کی عمر 18 برس سے کم تھی۔[19] سندھ سے متعلق ایچ آر سی پی کے ریکارڈ کے مطابق، جہاں ادارہ اس چلن کو بغور جانچتا ہے، مبینہ جبری تبدیلی مذہب کے کم از کم دس کیس 2021ء کے آخری چھ مہینوں میں اور 11 کیس 2022ء کے پہلے چھ مہینوں میں درج ہوئے (ضمیمہ1)۔ جیسا ایچ آر سی پی نے اکثر مشاہدہ کیا ہے، جبری تبدیلی مذہب کا رحجان ہندو اور عیسائی برادری کے کم آمدنی رکھنے والے خاندانوں

---

[15] www.asianews.it/news-en/Attack-on-a-Lahore-Pentecostal-church-leaves-several-people-injured-54021.html
[16] https://www.dw.com/en/pakistan-gunmen-shoot-dead-christian-priest-in-peshawar/a-60604509
[17] https://www.dawn.com/news/1678412
[18] dailytimes.com.pk/890035/new-years-dawn-no-different-for-shia-community-as-they-continue-to-be-persecuted-for-propagating-their-beliefs-in-pakistan/
[19] https://tribune.com.pk/story/2337961/forced-conversion-cases-spiked-in-2021-activist

کی نوجوان (حتیٰ کہ کم عمر) لڑکیوں میں بہت زیادہ دکھائی دیتا ہے، ان کی زد پذیری میں ان کی صنف اور طبقہ مزید اضافے کاباعث بنتا ہے۔

سندھ اور پنجاب میں بڑے پیمانے پر جبری تبدیلی مذہب کے واقعات ہوئے، انہی صوبوں میں ہندو اور عیسائی گھرانوں کی اکثریت آباد ہے۔ ان میں سے بہت سے معاملات میں ایک جیسا نمونہ دِکھائی دیتا ہے—ہندو یا عیسائی برادری سے تعلق رکھنے والی کوئی چھوٹی لڑکی اغوا ہوتی ہے اور جبراً ان سے اسلام قبول کروایا جاتا ہے جس کے بعد ، عموماً ، اغوا کار یا حملہ آور سے ہی، بغیر اس کی رضامندی، اس کی شادی کرا دی جاتی ہے، کہ وہ اتنی کم عمر یا اتنی کمزور ہوتی ہے کہ وہ اس معاملے کے مضمرات کو سمجھ ہی نہیں سکتی۔[20]

میڈیا میں شائع ہونے والے متعدد واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ جبری تبدیلی مذہب کا شکارغیر محفوظ نوجوان لڑکیوں کی اعلانیہ رضامندی حاصل کرنا اس لیے مشکل ہو جاتا ہے کہ انہیں عموماً چھپا کر رکھا جاتا ہے یا انہیں دھمکا کر ان کا مذہب تبدیل کروا دیا جات ہے۔ ایک کیس میں، لاڑکانہ سے تعلق رکھنے والی ایک ہندو لڑکی سونیکا، ستمبر 2021ء میں لاپتہ ہو گئی۔ چار دِن کے بعد، وہ سماجی میڈیا پر جاری کردہ ایک ویڈیو میں نمودار ہوئی اور دعویٰ کیا کہ اُس نے اسلام قبول کر کے ذیشان علی نامی شخص سے شادی کر لی ہے۔ اس کے والدین نے اغوا کے الزام میں ایف آئی آر درج کرا ئی۔ چونکہ اس کے خاوند کا کچھ پتا نہ چل سکا تھا تو پولیس نے اس کی بجائے اس کے بھائی کو گرفتار کر لیا، اس کے بعد سونیکا نے ایک اور ویڈیو شئیر کی جس میں اس ے اپنی شادی کے ثبوت دِکھائے اور اپنے دیور کو رہا کر دینے کی اپیل کی ۔[21] اسی طرح، جنوری 2022ء میں، سمرن کماری، میر پور ماتھیلی، سندھ کی ایک کم عمر بچی، مبینہ طور پر اغوا کر لی گئی اور جبری طور پر اس کا مذہب تبدیل کروا دیا گیا، لیکن اس کے ماں باپ کو دھمکایا گیا کہ اگر انہوں نے بچی کی بازیابی کے لیے کوشش کی تو ان کے خلاف ایف آئی آر کٹوا دی جائے گی۔[22]

صرف مارچ 2022ء میں، میڈیا نے سندھ سے جبراً تبدیلی مذہب کے کم از کم سات مبینہ کیس رپورٹ کیے۔ مبینہ طور پر عمر کوٹ کی رہائشی کویتا بھیل کا مذہب جبراً تبدیل کرا کے ندیم کپری نامی ایک مسلمان کے ساتھ اس کی شادی کروا دی گئی۔ میر پور خاص میں، ستارہ اوڈھ مبینہ طور پر اغوا کر کے لاہور لے جائی گئی ، جہاں اس کا مذہب تبدیل کرا کے عمر منگریو نامی شخص کے ساتھ اُس کی شادی کروا دی گئی۔ اگرچہ اس کی عمر 13 سال بتائی جاتی تھی تاہم شادی کے رجسٹریشن سرٹیفکیٹ میں اس کی عمر اٹھارہ برس ظاہر کی گئی۔ تیسرے کیس میں، خضورن کوہلی کو مبینہ طور پر اغوا کیا گیا، مذہب تبدیل کروایا گیا اور نیاز علی بروہی نام کے ایک شخص سے میر پور خاص میں شادی کروا دی گئی۔ اس کے خاندان نے دعویٰ

---

[20] چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ 1929اور اس کے صوبائی اعادے میں کم عمری کی شادی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے، اس کے لیے سزا میں چھ ماہ کی قید اور 50,000روپیہ جرمانہ شامل ہے۔ اسی نوعیت کی سزا ان والدین یا سرپرستوں کے لیے بھی ہے جو کم عمری کی شادی میں ملوث ہوں اس کے علاوہ ایسی تقریبات بندوبست کرنے والوں کے لیے بھی یہی سزا مقرر ہے۔ تاہم، پاکستان میں شادی کی قانونی عمر 16 برس ہے ماسوائے سندھ کے جہاں شادی کے لیے کم از کم عمر 18 برس ہے۔ اس فرق کے نتیجے میں انسانی سمگلنگ ہوتی ہے جو سندھ میں کم عمر بچیوں کا مذہب جبراً تبدیل کرا نے کے بعد اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ اس کے بعد ان بچیوں کی شادی ملک کے دیگر حصوں، مثلاً پنجاب میں، رجسٹرڈ ہو۔ پاکستان پینل کوڈ کی شق 498-بی کے تحت جبری شادی جرم ہے تاہم اس شق کے دائرے میں بچوں یا کم عمری کی شادی کو 'جبری شادی' کے زمرے میں نہیں رکھا جاتا، نہ ہی عدالتیں اس تناظر میں اس شق کی تشریح کرتی ہیں۔

[21] www.thenews.com.pk/print/888621-missing-hindu-girl-appears-on-social-media-reveals-her-free-will-marriage

[22] https://www.pakistantoday.com.pk/2022/01/13/bride-trafficking/

کیا کہ اُس کی عمر 16 برس ہے لیکن تبدیلی مذہب کے سرٹیفکیٹ پر اس کی عمر 22 برس درج کی گئی۔[23]

دسمبر 2021ء میں ہونے والی ایک کلیدی پیش رفت میں، سندھ ہائی کورٹ نے آرزو راجہ کو اجازت دی کہ—یہ ایک کم عمر مسیحی لڑکی جس کو اکتوبر 2020ء میں مبینہ طور پر جبراً اسلام قبول کروا کر ایک مسلمان کے ساتھ اس کی شادی کرائی گئی تھی—وہ اپنے والدین کے پاس لوٹ سکتی ہے، اور وہ ایک سال تک عدالتی حکم پر شیلٹر ہوم میں رہی تھی۔ عدالت نے آرزو کے والدین کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ پولیس کو رپورٹ کریں اور ہر تین ماہ کے بعد لڑکی کو مقامی ایس ایچ او کے سامنے پیش کریں، جب تک کہ وہ 18 برس کی نہیں ہو جاتی۔ بتایا گیا کہ یہ ہدایت اس لیے جاری کی گئی تھی کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اُس کے والدین اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔[24]

جبری تبدیلی مذہب کے بڑھتے ہوئے واقعات کے باوجود، جبری تبدیلی مذہب کو روکنے کے لیے وزارت انسانی حقوق کے ڈرافٹ شدہ ایک قانون کی مخالفت کا سلسلہ جاری رہا۔[25] جولائی 2021ء میں، اقلیتی حقوق سے متعلق سینٹ کی پارلیمانی کمیٹی کے ایک اجلاس میں وزارت مذہبی امور نے اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچنے سے قبل تبدیلی مذہب کے حوالے سے کسی بھی طرح کی رکاوٹ کھڑی کرنے کی مخالفت کی، انہوں نے دلیل دی کہ اگر کوئی کم عمر اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اُسے 'روکا نہیں جانا چاہیے'۔[26] اس کے نتیجے میں اکتوبر 2021ء میں کمیٹی نے اس بل کو مسترد کر دیا جب وزیر مذہبی امور، نور الحق قادری نے دعویٰ کیا کہ اس قانون سازی کے لیے اس وقت 'ماحول سازگار نہ (تھا)' ، اس کا نتیجہ مذہبی اقلیتوں کو مزید غیر محفوظ بناتا ہے۔[27]

توہین رسالت کے قوانین کا غلط استعمال

جہاں توہین رسالت کے قوانین کا مذہبی اقلیتوں کے خلاف غلط استعمال2021-22 ء میں بھی شدید عدم توازن کے ساتھ جاری رہا وہیں ان قوانین کا وسیع تر سماجی اثر پریانتھا کمارا دِیاوَدانا کی ہجوم کے ہاتھوں وحشیانہ ہلاکت کی شکل میں سامنے آیا، سری لنکا سے تعلق رکھنے والے اس فیکٹری مینجر کو دسمبر 2021ء میں آٹھ سو سے زائد لوگوں کے ایک ہجوم نے مار مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا؛ اس ہلاکت کے ذمہ داران نے دعویٰ کیا کہ اُس نے فیکٹری میں تعمیر و مرمت کے کام کے دوران احاطے میں لگا ایک ایسا پوسٹر پھاڑاتھا جس پر قرآنی آیات درج تھیں۔ سو سے زائد گرفتاریاں ہوئیں اور چھ مرکزی کرداروں کو انسدادِ دہشت گردی کی عدالت نے موت کی سزا سنائی (باکس 3)۔[28] انسانی حقوق کے بہت سے محافظین نے اس واقعے کو ملک میں بڑھتی ہوئی مذہب پسندی ، ریاست کی جانب سے انتہائی دائیں بازو کو زیادہ سے زیادہ گنجائش دیے جانے کے عمل اور ایسے واقعے کے ذمہ داران کے لیے ایسی

---

[23] https://voicepk.net/2022/03/rights-watch-28th-march-2022/

[24] https://www.dawn.com/news/1665223

[25] اس مجوزہ بل کی رو سے کسی بھی غیر مسلم بالغ کو جو کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو لازماً ایڈیشنل سیشن جج کو درخواست گزارنی ہوگی۔ جج درخواست دہندہ کا انٹرویو کرے گا اور یہ عمل درخواست جمع کرائے جانے کی تاریخ سے نوے دن کے اندر مکمل کرنا ہوگا۔ یہ بل تبدیلی مذہب کی اجازت صرف 18برس کی عمر کے بعد دیتا ہے۔

[26] https://www.dawn.com/news/1635052

[27] https://www.dawn.com/news/1651813

[28] www.aljazeera.com/news/2022/4/18/pakistan-six-sentenced-to-death-for-lynching-sri-lankan-national

دلیل قرار دیا جس کی بنا پر یہ لوگ صرف ان قوانین کی موجودگی کو ہی قانون اپنے ہاتھوں میں لینے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

باکس3: افواہ اور قتل: توہین رسالت کے قوانین کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے اثرات

3دسمبر 2021ء کوسیالکوٹ میں واقع راجکو انڈسٹریز کی فیکٹری میں یہ افواہیں پھیل گئیں کہ فیکٹری کے ایک مینجر ، انچاس برس کے سری لنکن شہری پریانتھا دِیاوَدانا ، نے فیکٹری کے احاطے میں لگا ایک ایسا پوسٹر پھاڑ اہے جس پر قرآنی آیات چھپی ہوئی تھیں، اس پر ایک مشتعل ہجوم جمع ہوگیا۔ اس پر الزام عائد کیا گیا کہ اس نے توہین کی تھی، ہجوم—جس میں کم از کم 9 کم عمر بھی شامل تھے—دِیاوَدانا پر پل پڑا، اس کے کپڑے پھاڑ دیے، مار مار کر اُسے ہلاک کر دیا اور اس کی نعش کو جلا دیا۔ ہجوم میں متعدد ایسے لوگوں کو دیکھا جا سکتا ہے جو دِیاوَدانا کی لاش کے ساتھ سلیفیاں لے رہے تھے۔ اس مہیب واقعے کی کم از کم 55 لوگوں نے فلم بندی کر کے اسے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر شئیر کیا، جہاں لمحوں میں یہ وائرل ہو گئے۔[29]

پولیس رپورٹ کے مطابق، اگرچہ ہجوم اس حملے کو حق بجانب قرار دینے کے لیے توہین رسالت کے قوانین استعمال کر رہا تھا، تاہم عین ممکن تھا کہ یہ واقعہ دِیاوَدانا سے ذاتی انتقام کا شاخسانہ ہو۔ سینکڑوں نامعلوم اشخاص کے خلاف ایف آئی آر درج ہوئی، ان میں فیکٹری میں کام کرنے والے مزدور بھی شامل تھے۔ اس واقعے نے پاکستان کے اندر اورباہر غصے کی ایک لہر دوڑا دی اور وسیع پیمانے پر اس کی مذمت دیکھنے میں آئی، انسانی حقوق کے محافظوں نے اس ہلاکت کے ذمہ داران کو فوری سزا دیے جانے کا مطالبہ کیا۔

2021ء کے لیے پولیس کے اعداد و شمار جس کا حوالہ ایچ آر سی پی نے انسانی حقوق کے متعلق اپنی سالانہ رپورٹ میں دیا، ظاہر کرتے ہیں کہ اس برس توہین رسالت کے قوانین[30] کے تحت 585 کیسز درج کیے گئے، جن میں سے زیادہ تر پنجاب میں درج ہوئے۔ ان میں سے کم از کم 16 کیس ایسے تھے جو احمدی برادری کے خلاف درج کروائے گئے۔[31]

مندرجہ ذیل کیس ظاہر کرتا ہے کہ کیسے الیکٹرونک جرائم کی روک تھام کا قانون(PECA) (Prevention of Electronic Crimes Act)مجریہ 2016ء عموماً توہین رسالت کے قوانین کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگست 2021ء میں، تین احمدی اشخاص پر 8مئی 2020ء میں توہین رسالت کے قانون کی شق 295-بی اور 298-سی عائد کرنے کے ساتھ ساتھ پیکا 2016ء بھی لگا دیا گیا، ان لوگوں کو لاہور کی ایک عدالت میں پیش کیا گیا، جہاں ایڈیشنل سیشن جج نے فردِ جرم میں دفعہ 295-سی کا اضافہ بھی کر دیا—اس کی سزا موت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لاہور ہائی کورٹ نے ان کی ضمانت کی درخواست مسترد کر دی۔ ان تینوں

[29] https://ppd.punjab.gov.pk/priyanthakumaracase2

[30] پاکستان پینل کوڈ کے بدنام/معروف ترین ترین قوانین میں توہین رسالت کے قانون کی شقیں 295-295 اے، بی اور سی شامل ہیں۔ جہاں ان میں سے کئی قوانین کو عمومی مذہبی جذبات بھڑکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے وہیں کچھ شقیں توہین قرآن اور رسالت ماب ﷺ کی توہین کے حوالے سے ہیں، مثلاً 295بی اور 295 سی۔ مزید یہ کہ 298 بی اور 298 سی کی زد میں خاص طور پر احمدی برادری آتی ہے اور یہ شقیں ان کے لیے غیر قانونی قرار دیتی ہیں کہ وہ خود کو مسلمان برادری کے طور پر پیش کریں۔

[31] hrcp-web.org/hrcpweb/wp-content/uploads/2020/09/2022-State-of-human-rights-in-2021.pdf

اشخاص پر قرآن کے ایسے لنک شئیر کرنے کا الزام تھا جس کا 'ترجمہ اور تفسیر مسلم عقائد سے متضاد تھی [sic]'۔[32]

اگست 2021ء میں پنجاب کے ضلع رحیم یار خان میں آٹھ سالہ ہندو لڑکے پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا گیا، اب تک اس قانون کی زد میں آنے والا یہ کم عمر ترین فرد ہے۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے جان بوجھ کر ایک مدرسے کی لائبریری میں پیشاب کر دیا تھا۔ ایک بار جب اس واقعے کی خبر پھیلی تو مقامی مسلمانوں نے جواباً قریب موجود ہندو مندر پر ہلا بول دیا۔ لڑکا توہین رسالت کے الزام کے تحت ایک ہفتہ تک جیل میں رہا، اس کے بعد اسے ضمانت مل گئی۔[33] نومبر 2021ء میں ہجوم کے ہاتھوں پیش آنے والے ایک اور واقعے میں، خیبر پختون خوا کے علاقے چارسدہ کا ایک پولیس سٹیشن اس لیے جلا دیا گیا کہ پولیس افسران نے مبینہ طور پر توہین کرنے والے ایک شخص کو ، جس پر الزام تھا کہ اس نے قرآن جلایا تھا،[34] ہجوم کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اگرچہ ابھی تک کسی کو توہین کے جرم میں پھانسی نہیں چڑھایا گیا، تاہم پی پی سی کے سیکشن 295-سی کے تحت سزائے موت سنانے کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ جنوری 2022ء میں راولپنڈی کی ایک ٹرائل عدالت نے چھبیس برس کی ایک مسلمان خاتون کو 'توہین رسالت' کرنے کے جرم میں موت کی سزا سنائی، اس پر الزام تھا کہ اس نے آن لائن ایسے خاکے شئیر کیے تھے جو رسول مکرمﷺ اور ان کی بیویوں کے حوالے سے گستاخانہ تھے۔ ملزمہ نے الزام لگایا کہ مدعی نے جان بوجھ کر اسے ایک مذہبی بحث میں پھنسایا اور خاتون نے جب اس کی پیش قدمی پر مثبت ردِ عمل ظاہر کرنے سے انکار کیا تو اس نے اسے اس الزام میں پھنسا دیا۔[35] تشویش ناک طور پر، سوشل میڈیا صارفین کو ممکنہ توہین والا مواد شئیر کرنے پر ورغلانے کا یہ طریقہ بہت عام ہوتا جا رہا ہے۔

توہین کے نام پر ہونے والے تشدد اور انتہائی دائیں بازو کی سیاست کے مابین گٹھ جوڑ 22-2021ء میں بھی جاری رہا۔ اکتوبر 2021ء میں، اُس وقت کالعدم قرار دی گئی سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) اورقانون نافذ کرنے والے اداروں کے مابین پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ میں ہونے والی جھڑپوں میں چار پولیس افسران ہلاک اور 250 افراد زخمی ہو گئے۔[36] ٹی ایل پی کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ سال کے شروع میں فرانسیسی مزاحیہ میگزین *چارلی ہیبڈو* میں شائع ہونے والے مبینہ گستاخانہ خاکوں کے جواب میں فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کیا جائے۔نومبر 2021ء میں، حکومت اورٹی ایل پی کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا اور اس جماعت پر سے پابندی ہٹا لی گئی۔[37]

ایک مثبت پیش رفت یہ سامنے آئی کہ ننکانہ کے رہائشی لیاقت علی کو، جنہوں نے توہین کے الزام میں گیارہ برس جیل کاٹی، لاہور ہائی کورٹ نے دسمبر 2021ء میں عدم ثبوت کی بنا پر بری کر دیا۔[38] اس شخص کو نومبر 2013ء میں ایک ٹرائل کورٹ نے مبینہ طور پر قرآن کانسخہ جلانے کے جرم میں سزا سنائی تھی۔ اس سے قبل جون 2021ء میں، شفقت مسیح اور

---

32 https://sys.lhc.gov.pk/appjudgments/2021LHC4279.pdf

33 www.theguardian.com/global-development/2021/aug/09/eight-year-old-becomes-youngest-person-charged-with-blasphemy-in-pakistan

34 https://www.dawn.com/news/1660770

35 www.aljazeera.com/news/2022/1/20/pakistan-rawalpindi-court-sentences-woman-death-whatsapp-blasphemy

36 https://www.dawn.com/news/1654353

37 https://www.aljazeera.com/news/2021/11/8/pakistan-lifts-tlp-ban-france-blasphemy

38 https://voicepk.net/2021/12/man-acquitted-of-blasphemy-after-11-years-in-jail/

شگفتہ کوثر نامی ایک مسیحی جوڑے کی سزا، جو توہین کے الزام میں سزائے موت سنائے جانے کے بعد آٹھ برس سے جیل میں تھے، لاہور ہائی کورٹ نے کالعدم قرار دے دی۔ جولائی 2021ء میں، گلگت بلتستان کے علاقے یٰسین سے تعلق رکھنے والی اُستانی حریر اشرف کو، جسے 2019ء میں توہین کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا، غِذر کی سیشن عدالت نے بری کر دیا۔[39]

عبادت گاہوں کی بے حرمتی

2021-22ء میں مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور مذہبی اہمیت رکھنے والی جگہوں پر مسلمان ہجوم کے حملہ کرنے کے بہت سے واقعات سامنے آئے ۔اگست 2021ء میں، رحیم یار خان کے علاقے بھونگ شریف میں سِدھی وِنائیک مندر کو انتقاماً نشانہ بنایا گیا، یہ سب ان الزامات کے پھیلنے پر ہوا کہ علاقے کے ایک ہندو بچے نے قرآنی آیات کی بے حرمتی کی تھی۔ مقامی ایس ایچ او کو غیر فعال ہونے پر معطل کر دیا گیا اور تین ایف آئی آریں ہجوم میں شامل سینکڑوں نامعلوم اشخاص کے خلاف درج کی گئیں۔ سپریم کورٹ نے صوبائی حکومت کو حکم دیا کہ وہ اس واقعے کی رپورٹ جمع کرائے۔[40]

سیاسی جماعتوں اور حکومت کی جانب سے اس واقعے کی وسیع پیمانے پر مذمت کے باوجود دسمبر 2021ء میں کراچی کے نارائن پورہ مندر پر بھی حملہ ہوا؛ دُرگا دیوی کا بُت مسمار کر دیا گیا۔ واقعے کے بعد قانون نافذ کرنے والے اداروں نےعلاقے کو گھیرے میں لے کر 22 برس کے ایک شخص کو حراست میں لیا لیکن اس کا ساتھی گرفت میں نہ آ سکا۔ بہت سے سیاسی رہنماؤں نے جائے وقوعہ کا دورہ اور عبادت گزاروں سے اظہارِ یکجہتی کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2021ء میں احمدی برادری کی طرف سے ایسے سات مختلف واقعات رپورٹ کیے گئے، جن میں قبروں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے واقعات بھی شامل تھے، لیکن—ان سے ملتے جلتے معاملات کے برعکس—ریاست نے ان کیسوں کی مذمت تک نہ کی۔

مثبت پیش رفت ایک یہ سامنے آئی کہ جون 2021ء میں سپریم کورٹ نے کراچی انتظامیہ کو1932ء میں تعمیر ہونے والی ہندو دھرم شالہ (مذہبی اہمیت کی حامل عمارت) منہدم کرنے سے روک دیا ۔ عدالت کو بتایا گیا کہ متروکہ وقف املاک بورڈ نے یہ جگہ ایک شخص کو لیز پر دی تھی جو یہاں ایک کمرشل عمارت بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اگرچہ سندھ ہائی کورٹ نے انہدام کی اجازت دے دی تھی تاہم سپریم کورٹ نے دھرم شالہ کو تاریخی ورثہ قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ یہاں سے کسی قِسم کا میٹریل نہ ہٹایا جائے۔ یہ حکم 2014ء میں جاری ہونے والے جیلانی فیصلہ کے نفاذ سے متعلق ہونے والی ایک سماعت کے بعد جاری کیا گیا تھا۔[41]

نومبر 2021ء میں، زمین کا ایک ٹکڑا جو ہندو مندر کی تعمیر کے لیے اسلام آباد میں الاٹ کیا گیا تھا، بحال کر دیا گیا۔اس سے قبل 2020ء میں کیپیٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) نے یہ الاٹمنٹ اُس وقت منسوخ کر دی تھی جب چند سیاست دانوں، بشمول اُس وقت پنجاب اسمبلی کے سپیکر پرویز الٰہی ،کہا تھا کہ یہ 'اسلام کی روح کے منافی ہے'۔[42] میڈیا میں ہونے والے

---

[39] https://www.dawn.com/news/1632631
[40] www.geo.tv/latest/363586-pm-imran-khan-takes-notice-of-attack-on-hindu-temple-in-rahim-yar-khan
[41] https://tribune.com.pk/story/2305000/sc-stops-demolition-of-dharamshala
[42] https://www.dawn.com/news/1566408

عوامی احتجاج کے بعد سی ڈی اے نے یہ کہتے ہوئے اپنا فیصلہ واپس لے لیا کہ اس معاملے میں 'کوئی بدنیتی' شامل نہ تھی۔ یہ زمین 2016ء میں ہندو برادری کو الاٹ کی گئی تھی، تاہم سی ڈی اے نے اس پر تعمیرات اُس وقت روک دی تھیں جب حکومت کی طرف سے ہندو مندر کی تعمیر کے لیے فنڈ فراہم کرنے کے حوالے سے اختلافِ رائے سامنے آیا تھا۔ جون 2022ء تک مندر تعمیر نہ ہو سکا تھا اور اسلام آباد کی ہندو برادری کسی مذہبی عبادت گاہ یا شمشان گھاٹ کے بغیر ہی زندگی بسر کر رہی ہے۔[43]

تشدد کے مظاہر: نفرت انگیز تقاریر کے واقعات

نفرت انگیز تقاریر پر اقوام متحدہ کی حکمت عملی اور منصوبہ *(*UN Strategy and Plan of Action on Hate Speech*)* نفرت انگیز تقاریر کی تعریف یوں متعین کرتا ہے 'تقریر ، تحریر یا رویے میں کوئی بھی ایسا ابلاغ جو کسی شخص یا گروہ سے اس بنیاد پر کہ وہ کون ہیں، دوسرے الفاظ میں، ان کے مذہب، نسل، قومیت، رنگ، نسب، صنف یا کسی بھی دیگر شناختی عنصر کی بنیاد پراُن کو ہدف بناتا یا حقارت انگیز یا امتیاز ی زبان استعمال کرتا ہے'۔[44] باوجود اس کے کہ پاکستان پینل کوڈ (پی پی سی) کی متعدد شقیں اور کئی دیگر قوانین اِس عمل کو غیر قانونی قرار دیتے ہیں (ان میں شق 153-اے، 295-اے اور 298 پی پی سی اور شق11 پیکا شامل ہیں)، پاکستان میں نفرت انگیز ی کا یہ معاملہ عوامی و آن لائن ہر دو جگہوں پر جاری و ساری ہے۔

19 جون 2021ء کو خیبر پختونخوا پولیس نے کئی مذہبی رہنماؤں کے ضلع خیبر میں داخلے پر اس بنیاد پر پابندی عائد کی کہ یہ لوگ نفرت انگیز تقاریر اور امتیازی مذہبی مباحث کو ہوا دے کر فرقہ واریت کی جلتی آگ پر تیل ڈالنے کا کام کر رہے تھے۔ اس طرح کے مواد کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لیے پولیس نے لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر، ماسوائے نماز جمعہ کے خطبے کے، پابندی عائد کر دی۔[45]

آن لائن پھیلائی جانے والی نفرت انگیزی میں سے نصف سے زائد (53٪) کا رُخ احمدی برادری کی جانب ہوتا ہے، اس کے بعد شیعہ مسلم فرقے کو 11.5٪ نشانہ بنایا جاتا ہے۔[46] 2021-22ء میں کووڈ 19 وبا کے پھیلاؤ کے دوران، سماجی تنہائی اور انٹر نیٹ کے استعمال میں بڑا اضافہ ہوا اور شایدجزوی طور پر اسی وجہ سے اس عرصے کے دوران آن لائن نفرت انگیزی میں، خاص طور پر ٹویٹر اور انسٹا گرام پر بھی بڑا اضافہ دیکھنے میں آیا۔ایسی نفرت انگیزانہ بربریت کا پھیلاؤ بنا روک ٹوک جاری رہا: جولائی 2021ء میں ایک ٹویٹر سپیس کے دوران ایک شریک نے احمدی رہنماؤں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کی ترغیب دی۔[47] یہ تبصرہ اُس وقت نمایاں ہو کر سامنے آیا جب احمدیوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک کارکن کاشف چوہدری نے اس کی نشان دہی کی۔ ایک ماہ قبل، انہیں واٹس ایپ پر ایک ایسا پیغام ملا تھا جس میں لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ایسے احمدیوں کی نشان دہی کریں جو عید الاضحیٰ کے تہوار میں حصہ لیتے دکھائی دیں۔ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستانی ریاست مذہبی و مسلکی آزادیوں کے ساتھ اپنی وابستگی کا مسلسل اعادہ کرتی ہے لیکن وہ اس حق کو ماننے کے لیے درکار ضروری اقدامات نہیں اٹھاتی۔ 18جون 2022 ء کو ملک میں نفرت انگیز تقاریر

---

[43] https://www.dawn.com/news/1656840

[44] https://www.un.org/en/hate-speech/understanding-hate-speech/what-is-hate-speech

[45] https://www.dawn.com/news/1630187

[46] www.peacemakersnetwork.org/wp-content/uploads/2022/04/equipping-pakistani-youth-to-counter-hate-speech.pdf

[47] thediplomat.com/2021/07/pakistans-social-media-is-overflowing-with-hate-speech-against-ahmadis/

کے انسداد کا عالمی دن منایا گیا اور وزارت خارجہ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ پاکستان عالمی و قومی سطح پر ان کوششوں کی حمایت جاری رکھے گا جو نفرت انگیز تقاریر اور مسلکی امتیاز کے خاتمے کے لیے کی جا رہی ہیں، اس کے علاوہ بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ کے لیے کاوشیں بھی جاری رہیں گی۔[48]

تعلیم و ملازمتوں میں ادارہ جاتی امتیاز

جولائی 2021ء میں، میڈیا میں رپورٹ ہوا کہ 2017ء کی مردم شماری (جس کے نتائج کا اعلان مئی 2021ء تک نہیں کیا گیا تھا) کے دوران پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کا شمار کم کر کے دِکھایا گیا ہے۔[49] پریس سے بات کرتے ہوئے، حقوق کے کارکن پیٹر جیکب نے دعویٰ کیا کہ عیسائیوں کی جو تعداد ظاہر کی گئی ہے اس میں1998ء میں ہونے والی مردم شماری کی نسبت 0.32٪ کمی ظاہر کی گئی ہے، اگرچہ چرچ کے ریکارڈ کے مطابق عیسائی آبادی کی تعداد میں کم از کم پانچ لاکھ کی کمی دِکھائی گئی تھی۔ سپریم کورٹ کے وکیل نیل کیشو نے، اسی پریس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے، نشان دہی کی کہ ہندو آبادی کی تعداد بھی کم ظاہر کی گئی تھی، جب کہ احمدی رہنماؤں نے دعویٰ کیا کہ ان کی برادری کی تعداد کو شاید اس لیے کم دِکھائی دی کہ اُن کے لوگ اپنی مذہبی شناخت کے اِظہار سے گھبراتے ہیں کہ انہیں ظلم کا نشانہ بنایا جائے گا۔ بدھ اور سکھ برادریوں کو تو علیحدہ مذہبی اقلیت کے طور پر شمار ہی نہ کیا گیا تھا (باکس 4)۔

باکس4: نظر اندازشدہ، شمار میں ہی نہیں: پاکستان کی بدھ برادری

ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ ، انسانی حقوق کی صورت حال 2021ء ،میں سندھ میں آباد اور پچھڑی ہوئی بدھ برادری کے معاملے پر روشنی ڈالی گئی تھی، اس حوالے سے عمومی تاثر یہی ہے کہ پاکستان میں بدھ برادری کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ برادری یہ شکایت کر چکی ہے کہ مردم شماری میں اس کے افراد کو 'دیگر' کی درجہ بندی میں شمار کیا گیا اور انہیں شیڈول کاسٹ میں شامل کر دیا گیا کیونکہ ان کی اکثریت کو بھیل کے طور پر شناخت کیا گیا تھا۔

محراب پور، سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک ریٹائرڈ پرائمری سکول ٹیچر جمن بھیل کے مطابق جہاں ہندو، عیسائی اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے لیے تعلیمی اداروں اور حکومتی ملازمتوں میں ایک مخصوص کوٹہ مقرر ہے وہیں بدھ برادری کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مزید برآں، باوجود اس کے کہ پاکستان میں بدھ برادری کا شاندار تاریخی ورثہ موجود ہے، پاکستان بھر میں اس وقت اس برادری کے پاس اجتماعی عبادت کے لیے کوئی عوامی مقام موجود نہیں اور اس وجہ سے وہ اپنی مذہبی رسومات اپنے گھروں میں ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

کم شمار کیا جانا مذہبی اقلیتوں کے لیے مضمرات کا حامل ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں تعلیمی اداروں اور ملازمتوں کے کوٹے کے علاوہ قانون ساز اداروں میں مخصوص نشستوں تک ان کی رسائی میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔در حقیقت بہتر تعلیم تک رسائی کے لیے، جس کی ضمانت آئین کے آرٹیکل 22 اور 36 فراہم کرتے ہیں، ضروری ہے کہ اقلیتوں کو بہر

---

[48] https://mofa.gov.pk/international-day-for-countering-hate-speech/

[49] www.voanews.com/a/extremism-watch_pakistans-religious-minorities-say-they-were-undercounted-census/6207724.html

صورت مساوی مواقع مہیا کیے جائیں۔ اس کے باوجود، مذہبی اقلیتیں ، تعلیم اور ملازمت کے اعتبار سے، ادارہ جاتی امتیاز کا نشانہ بنتی ہیں، اس حوالے سے ہونے والے اکثر واقعات کی براہِ راست رپورٹ بھی نہیں ہوتی۔ مئی 2022ء میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق نے ایک رپورٹ جاری کی جو ظاہر کرتی تھی کہ مذہبی اقلیتوں کے لیے سرکاری ملازمتوں میں مختص نصف نشستیں خالی ہیں، جب کہ 80٪ 'غیر مسلم' جن پوزیشنوں پر ملازمت کر رہے ہیں وہاں انہیں اپنے ہم کار مسلمانوں کی نسبت کم تنخواہ دی جاتی ہے۔[50]

[50] https://www.dawn.com/news/1691167

4 سفارشات

اس رپورٹ کی روشنی میں کچھ سفارشات مرتب کی جارہی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- پاکستان میں مذہبی و مسلکی آزادی کے لیے 2014ء میں سنایا جانے والے جیلانی فیصلہ عمدہ انداز میں بیان کردہ ایک بہترین فریم ورک ہے۔اسے اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جانا چاہیے، اس کے ساتوں نقاط کو نافذ کرنے کے لیے درکار مالی و انسانی وسائل مہیا کیے جانے چاہیں، مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے خصوصی طور پر تربیت یافتہ پولیس فورس بھی اس میں شامل ہے۔

- سب سے پہلے، مذہبی اقلیتوں کے لیے ایک خود مختار، قومی نمائندگی والا کمیشن، پارلیمان کے ایکٹ کے ذریعے، قائم کیا جانا چاہیے۔ آئیڈیل صورتحال یہ ہے کہ اس کمیشن میں صرف مذہبی اقلیتوں اور مسالک کے نمائندگان کو ہی شامل کیا جائے—بشمول نظر انداز کیے گئے گروہ مثلاً بدھ، پارسی اور بہائی برادری—اور شیڈول کاسٹ۔

- مجوزہ کمیشن کا دائرہ کار پورے ملک پر محیط ہونا چاہیے، اس کے ساتھ ساتھ اس کے کام کرنے کے طے شدہ ضوابط ہوں تاکہ یہ اس قابل ہو سکے کہ کوئی ایسا طریقہ کار وضع کرے جس کے تحت مذہبی اقلیتوں اور مسالک سے ہونے والے امتیازی سلوک اور تشدد کے ثبوت جمع کیے جا سکیں اور پاکستان میں مساوی شہریوں کے طور پر ان کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے۔

- ریاست کو اتفاقِ رائے کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے کہ فرقہ ورانہ تشدد کا انسداد کیا جائے، نہ صرف نیشنل ایکشن پلان نافذ کرنے کے ذریعے بلکہ ایک قومی بیانیہ تشکیل دینے اور پھیلانے کی کاوش بھی ہونی چاہیے تاکہ مذہبی انتہا پسندی اور اکثریت پسندی سے اجتناب کاراستہ اختیار کیا جاسکے۔

- مذہبی یا فرقہ ورانہ تشدد کے واقعات کی آزادنہ تحقیق ہونی چاہیے کہ ذمہ داروں کا تعین کر کے انہیں عالمی سطح پر تسلیم شدہ اصولوں کے مطابق انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔

- جتنا جلدی ممکن ہو سکے جبری تبدیلی مذہب کے حوالے سے قانون سازی کی جانی چاہیے، دباؤ کے سامنے کمزوروں کی زد پذیری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ 18 برس سے کم عمر میں مذہب تبدیل کرنے پر قدغن عائد کی جائے، اور بالغان بھی اگر مذہب تبدیلی کا ارادہ ظاہر کریں تو انہیں مناسب موقع مہیا کیا جائے تاکہ وہ کسی بھی طرح سے دباؤ کا شکار نہ ہو سکیں۔کسی بھی نابالغ پر مذہب کی تبدیلی کے لیے دباؤ ڈالنے کو (خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو) جرم قرار دیا جائے۔ اس بات کے مدنظر کہ جبری تبدیلی مذہب اور جبری شادیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی

ہیں، سارے صوبوں میں، سندھ چائلڈ میرجز ریسٹرینٹ ایکٹ 2013ء کی طرح، شادی کی کم از کم عمر کا ایک معیار مقرر کیا جانا چاہیے۔

- توہین رسالت کے حوالے سے ثبوت کے کم تر معیار کو بلند کیا جانا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ زیر بحث قوانین کو لوگ ذاتی انتقام کا ہتھیار نہ بنا سکیں، جیسا کہ عمومی صورتحال اس وقت ہے۔ وسط مدت میں ریاست کا کم از کم ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ ان قوانین میں ایسی اصلاحات لائے کہ سزا کے امکانات میں کمی ہو، مثال کے طور پر اس بات کو یقینی بنا کر کہ کسی بھی شق کے اطلاق کے لیے دانستہ / نیتِ جرم ثابت کرنا ضروری ہو۔

- سزائے موت کے اطلاق کو محدود کرنے کے حوالے سے بحث کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے، سنگین سزاؤں کو ختم کیا جانا چاہیے، بشمول توہین سے متعلقہ قوانین کی اُن شقوں کے تحت بھی جو سیکشن 295-سی میں شامل ہیں۔

- ایسے قانونی مقدمات جہاں مذہبی اقلیتوں کے اراکین ملوث ہوں، ملزمان کو منصفانہ ٹرائل کی ضمانت دی جانی چاہیے اور ان کے مسلک کی بنیاد پر ان کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برتا جانا چاہیے۔

- ریاست کو چاہیے کہ وہ نفرت انگیز تقاریر اور تشدد پر اکسانے کی اپیلوں پر نظر رکھے—اس میں آن لائن پلیٹ فارم بھی شامل ہیں—درست مواد جمع کرنے کے لیے اتفاق رائے پیدا کرے تاکہ مجرمان کا محاسبہ ہو سکے۔

- اس نقطے کے پیش نظر کہ حکومتی پالیسیوں کی بنیاد مردم شماری کے نتائج ہوتے ہیں، پاکستان شماریاتی بیورو کو یہ بات یقینی بنانی چاہیے کہ تمام مذہبی اقلیتیں اور مسالک کا شمار بالکل درست طور پر ہو۔ تاہم اس حوالے سے یہ بات بھی یقینی بنائی جائے کہ کسی شخص کو اپنی مذہبی شناخت ظاہر کرنے پر مجبورنہ کیا جائے۔

- مذہبی اقلیتوں کے لیے تعلیم اور ملازمتوں کے کوٹے کا بارِ دگر جائزہ لے کر اس میں اضافہ کیا جائے اور احتساب کا ایک ایسا میکنزم تشکیل دیا جائے کہ ان کوٹوں کا نفاذ یقینی بنایا جا ئے۔کسی بھی صورتحال میں سینی ٹیشن ورکروں کی ملازمتوں کے لیے دیے جانے والے اشتہارات میں 'صرف غیر مسلموں کے لیے' کے الفاظ شامل نہ کیے جائیں۔

- متنازعہ فیہ پاکستان کے قومی نصاب پر لازماً نظر ثانی کی جائے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ سیکولر مضامین میں مذہبی مواد یا ایسا مواد جو مذہبی اقلیتوں اور مسالک یا ان کے عقائد سے متعلق امتیازی کا حامل ہے شامل نہ ہو۔ آئیڈیل صورتحال تو یہ ہے کہ پرائمری اور سکینڈری درجوں میں مذہبی تعلیم صرف اسلام تک محدود نہ ہو بلکہ اسے پاکستان کے کثیر مذہبی کردار کا عکاس ہونا چاہیے۔

- سکول اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں کے تعلیمی اداروں کو شکایات اور احتساب کا ایک موثر نظام قائم کرنا چاہیے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ طالب علم اپنے مذہب یا مسلک کی بنیاد پر تفریق کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکیں۔

ضمیمہ 1 : جبری تبدیلی مذہب کا ریکارڈ

مندرجہ ذیل مبینہ جبری گمشدگیوں کے 10کیسز وہ ہیں جو مقامی سندھی اخبارات پنجھی اور کاوش میں جولائی تا دسمبر 2021ء رپورٹ ہوئے۔

تاریخ (2021)	**متاثرہ خاتون کا نام**	**ضلع**	**ملزم کا نام**
6 جولائی	کویتا	نامعلوم	جاوید خاصخیلی
3اگست	شبانہ میگھوار	گھوٹکی	صفیر کلہور
5اگست	نوری گارگولو	سانگھڑ	دل شیر بھانیجو
13 اگست	چتری بھیل	تھرپارکر	صحبت رند
13 اگست	سومری	تھرپارکر	محمد بقا راحموں
6 ستمبر	سونیکا	لاڑکانہ	ذیشان لغاری
12 ستمبر	گگاشنا سمی	بدین	یار محمد نظامانی
27 ستمبر	ریشما کوہلی (کم عمر)	میر پور خاص	عمران راجپوت
3 اکتوبر	والیا عرف ماروی بھیل	سانگھڑ	نواز علی ماچھی
8اکتوبر	سندھو ولاس	گھوٹکی	سہیل اختر ملک

مندرجہ ذیل مبینہ جبری گمشدگیوں کے 11کیسز وہ ہیں جو مقامی سندھی اخبارات پنجھی اور کاوش میں جنوری تا جون 2022ء رپورٹ ہوئے۔ان میں سے کم از کم چار واقعات میں اغوا شامل ہے جس کے بعد ایک واقعے میں اغوا شدہ (پوجا کماری) کو قتل کر دیا گیا۔

موردِ الزام شخص کا نام	ضلع	ستم رسیدہ کا نام	تاریخ 2022 ء
نامعلوم	خیر پور	بندیا کماری میگھوار (کم عمر)	17 مارچ
وحید بخش لاشاری	سکھر	پوجا کماری اوڈھ (کم عمر)	21 مارچ
نامعلوم	ٹنڈو محمد خان	انیتا میگھوار (کم عمر)	23 مارچ
عمر منگھریو	عمر کوٹ	ستارہ اوڈھ (کم عمر)	مارچ (تاریخ نامعلوم)
نیاز علی	میرپور خاص	خضورن کوہلی	26 مارچ
ندیم کپری	کنڑی	کویتا بھیل (کم عمر)	27 مارچ
گل شیر	نامعلوم	انیتا اوڈھ (کم عمر)	28 مارچ
سیف اللہ بھوتھرانی	عمر کوٹ	سنیتا اوڈھ	27 اپریل
احمد ولی	عمر کوٹ	سنیتا اوڈھ	27 اپریل
شاہد میمن	خیر پور	منیشا	28 اپریل
نامعلوم	شکار پور	مسکان بلانی	11 جون

اکثر کیسز میں بعد ازاں یہ سمجھا گیا کہ یہ رضاکارانہ تبدیلی مذہب اور شادی کا معاملہ ہیں۔ کم از کم تین کیسوں میں جبری تبدیلی مذہب ثابت ہوئی اور کم از کم سات کیس ایسے تھے جن میں ستم رسیدہ کم عمر تھی۔